

محترم جناب وحید الدین خان صاحب

کائنات میں حکمت اور معنویت

کائنات

خدا ہی گواہی دیتا ہے

عرصہ ہوا کیرالا کے عیسائی مشن نے ایک کتابچہ شائع کیا تھا جس کا نام تھا :

(MATH AND SCIENCE SPEAK ABOUT GOD)

اس باب کے عنوان کے مٹے میں سمجھتا ہوں کہ یہ الفاظ موزوں ترین ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کا سب سے بڑا ثبوت اس کی وہ مخلوق ہے جو ہمارے سامنے موجود ہے۔ فطرت اور اس کے بارے میں ہمارا بہترین علم پکار رہا ہے کہ بیشک اس دنیا کا ایک خدا ہے۔ اس کے بغیر ہم کائنات کو اور اپنے آپ کو سمجھ نہیں سکتے۔

کائنات کی موجودگی، اس کے اندر سیرت انگیز تنظیم اور اس کی انتہا معنویت کی اس کے سوا کوئی تو بہہ نہیں ہو سکتی کہ اس کو کسی نے بنایا ہے۔ اور یہ بنانے والا ایک لامحدود ذہن ہے۔ نہ کوئی اندھی طاقت۔

فلسفیوں میں سے ایک گروہ، نہایت مختصر گروہ ایسا ہے جو کسی قسم کے وجود ہی میں شک کرتا ہے۔ اس کے نزدیک نہ یہاں کوئی انسان ہے اور نہ کوئی کائنات۔ بس ایک عدم محض ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر اس نقطہ نظر کو صحیح مان لیا جائے تو یقیناً خدا کا وجود مشتبہ ہو جاتا ہے۔ لیکن جیسے ہی ہم کائنات کو بانٹتے ہیں، ہمارے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم خدا کو مانیں۔ کیونکہ عدم سے وجود کا پیدا ہونا ایک ناقابل قیاس بات ہے۔

جہاں تک اس مخصوص قسم کی تشکیک اور ادریت کا تعلق ہے، وہ ایک فلسفیانہ نکتہ تو ہو سکتا ہے، مگر اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ جب ہم سوچتے ہیں تو ہمارا سوچنا خود اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ ہمارا کوئی وجود ہے۔ سبب راستہ پھلتے ہوئے کسی پتھر سے ٹکراتے ہیں۔ اور ہمیں تکلیف ستائے لگتی ہے۔ تو یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ ہمارے باہر کوئی دنیا ہے، جس کا اپنا وجود ہے۔

اسی طرح ہمارا ذہن اور ہمارے تمام حواس ہر آن بے شمار چیزوں کو محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ علم و احساس ہر شخص کے لئے اس بات کا ایک ذاتی ثبوت ہے کہ وہ ایک ایسی دنیا میں ہے جو واقعی طور پر اپنا وجود رکھتی ہے۔ اب اگر کسی کا فلسفیانہ تفکر اس کے لئے دنیا کے وجود کو مشتبہ کر دیتا ہے۔ تو یہ ایک ایسی مستثنیٰ حالت ہے جو کروڑوں انسانوں کے تجربات سے غیر متعلق ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی مخصوص قسم کی ذہنی فضا میں گم ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو گیا ہے۔

اگرچہ کائنات کا موجود نہ ہونا بذاتِ خود اس بات کا کوئی لازمی ثبوت نہیں ہے۔ کہ خدا بھی موجود نہ ہو۔ تاہم اپنی انتہائی لغویت کے باوجود یہی ایک نقطہ نظر ہے، جس کے لئے خدا کا وجود مشتبہ ہو سکتا ہے۔ مگر یہ نقطہ نظر خود اتنا بے معنی ہے کہ آج تک نہ تو عام انسانوں کے لئے وہ قابلِ فہم ہو سکا۔ اور نہ علمی دنیا میں اسکو قبول عام حاصل ہوا ہے۔ عام انسان اور عام اہل علم ہر حال اس واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا اپنا ایک وجود ہے۔ اور کائنات بھی اپنا ایک وجود رکھتی ہے۔ سارے علوم اور زندگی کی تمام سرگرمیاں اسی علم و یقین کی بنیاد پر قائم ہیں۔

پھر جب ایک کائنات ہے تو لازماً اس کا ایک خدا ہونا چاہئے۔ یہ بالکل بے معنی بات ہے۔ ہم مخلوق کو مانیں مگر خالق کا وجود تسلیم نہ کریں۔ ہمیں کسی بھی ایسی چیز کا علم نہیں جو پیدا کئے بغیر وجود میں آگئی ہو۔ ہر چھوٹی بڑی چیز لازمی طور پر اپنا ایک سبب رکھتی ہے۔ پھر اتنی بڑی کائنات کے بارے میں کیسے یہ یقین کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ یونہی وجود میں آگئی۔ اس کا کوئی خالق نہیں۔

جان اسٹوارٹ مل (STUART MILL) نے اپنی آڑ بیاگرافی میں لکھا ہے کہ میرے باپ نے مجھے یہ سبق دیا کہ یہ سوال کہ کس نے مجھے پیدا کیا (WHO MADE ME) خدا کے اثبات کے لئے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے بعد فوراً دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کو کس نے پیدا کیا۔ (WHO MADE GOD) چنانچہ برٹریٹڈرسل نے بھی اسی اعتراض کو تسلیم کرتے ہوئے عرکِ اول کے استدلال

کو رد کر دیا ہے۔ THE AGE OF ANALYSIS BY MORTON WHITE 21-22.

یہ منکرینِ خدا کا بہت پرانا استدلال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا اگر کوئی خالق مانیں تو اس خالق کو لازمی طور پر ازلی ماننا پڑے گا۔ پھر سبب خدا کو ازلی ماننا ہے۔ تو کیوں نہ کائنات ہی کو ازلی مان لیا جائے۔ اگرچہ یہ بالکل بے معنی بات ہے۔ کیونکہ کائنات کی کوئی ایسی صفت ہمارے علم میں نہیں آئی ہے۔ جس کی بنا پر اسکو خود اپنا خالق فرض کیا جاسکے۔ تاہم انیسویں صدی تک منکرین کی اس دلیل میں ایک ظاہر

Second Law of
Thermodynamics

زیب حسن مزدور موجود تھا۔ مگر اب حرکیات حرارت کے دوسرے قانون کے انکشاف کے بعد تو یہ دلیل بالکل بے بنیاد ثابت ہو چکی ہے۔

یہ قانون جسے ضابطہ ناکارگی (Law of Entropy) کہا جاتا ہے۔ ثابت کرتا ہے کہ کائنات ہمیشہ سے موجود نہیں ہو سکتی۔ ضابطہ ناکارگی بتاتا ہے کہ حرارت مسلسل یا حرارت موجود سے بے حرارت وجود میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ مگر اس چکر کو الٹا چلایا نہیں جاسکتا کہ خود بخود یہ حرارت کے وجود سے زیادہ حرارت کے وجود میں منتقل ہونے لگے۔ ناکارگی دستیاب توانائی (AVAILABLE ENERGY) اور غیر دستیاب توانائی (UN AVAILABLE ENERGY) کے درمیان تناسب کا نام ہے۔ اور اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کائنات کی ناکارگی برابر بڑھ رہی ہے۔ اور ایک وقت ایسا آنا مقدور ہے جب تمام موجودات کی حرارت یکساں ہو جائے گی اور کوئی کارآمد توانائی باقی نہ رہے گی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کیمیائی اور طبعی عمل کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور زندگی بھی اسی کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ لیکن اس حقیقت کے پیش نظر کہ کیمیائی اور طبعی عمل جاری اور زندگی کے ہنگامے قائم ہیں۔ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ کائنات ازل سے موجود نہیں ہے۔ ورنہ اخراج حرارت کے لازمی قانون کی وجہ سے اس کی توانائی کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی۔ اور یہاں زندگی کی ہلکی سی دھن بھی موجود نہ ہوتی۔

اس بے حد تحقیق کا حوالہ دیتے ہوئے ایک امریکی عالم حیوانات EDWARD LUTHER KESSEL

لکھتا ہے :

”اس طرح غیر ارادی طور پر سائنس کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کائنات اپنا ایک آغاز (BEGINNING) رکھتی ہے۔ اور ایسا کرتے ہوئے اس نے خدا کی صداقت کو ثابت کر دیا ہے۔ کیونکہ جو چیز اپنا ایک آغاز رکھتی ہو وہ اپنے آپ شروع نہیں ہو سکتی یقیناً وہ ایک محرک اول، ایک خالق، ایک خدا کی محتاج ہے۔“

THE EVIDENCE OF GOD. P-51

یہی بات سر جیمز جینز نے ان الفاظ میں کہی ہے :

”موجودہ سائنس کا یہ خیال ہے کہ کائنات میں ناکارگی کا عمل (ENTROPY) ہمیشہ جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ اس کی توانائی بالکل ختم ہو جائے۔ یہ ناکارگی ابھی اپنے آخری درجہ کو نہیں پہنچی ہے۔ اگر ایسا ہو گیا ہوتا تو ہم اس کے متعلق سوچنے کے لئے موجود نہ ہوتے یہ ناکارگی اس وقت بھی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ اور اس بناء پر اس کا ایک آغاز ہونا

ضروری ہے، کائنات میں لازماً اس قسم کا کوئی عمل ہوا ہے جسکو ہم ایک وقت خاص میں تخلیق (CREATION AT A TIME) کہہ سکتے ہیں۔ ذہن کہ وہ لامتناہی مدت سے

THE MYSTERIOUS UNIVERSE P-133

موجود ہے۔

اس طرح کے اور بھی طبعیاتی شواہد ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ کائنات ازل سے موجود نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک محدود عمر رکھتی ہے۔ مثلاً فلکیات کا یہ مشاہدہ ہے کہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے۔ تمام کہکشاں اور فلکیاتی اجسام مشاہدہ میں نہایت تیزی کے ساتھ ایک دوسرے سے ہٹتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس صورت حال کی اس وقت، نہایت عمدہ توجیہ ہو جاتی ہے۔ جب ہم ایک ایسے ابتدائی وقت کو تسلیم کر لیں۔ جب تمام اجزاء کے ترکیبی مجتمع اور مرکوز حالت میں تھے۔ اور اس کے بعد ان میں حرکت و توانائی کا آغاز ہوا۔ اس طرح کے مختلف قرائن کی بنا پر عام اندازہ یہ ہے کہ لگ بھگ پچاس کھرب سال پہلے ایک غیر معمولی دھماکے سے یہ سارا عالم وجود میں آیا۔ اب سائنس کی اس دریافت کو ماننا کہ کائنات محدود عمر رکھتی ہے اور اس کے وجود کو نہ دنیا، ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ تو تسلیم کرے کہ تاج محل ہمیشہ سے موجود نہیں تھا۔ بلکہ سترھویں صدی عیسوی کے وسط میں بنا۔ مگر اس کے باوجود اس کا کوئی معمار اور انجینئر تسلیم نہ کرے، اور کہے کہ وہ بس اپنے آپ ایک مخصوص تاریخ کو بن کر کھڑا ہو گیا ہے۔

فلکیات کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ دنیا کے تمام سمندروں کے کنارے ریت کے بچنے ذرے ہیں۔ شاید اسی قدر آسمان میں ستاروں کی تعداد ہے۔ ان میں کچھ ستارے ایسے ہیں جو زمین سے کسی قدر بڑے ہیں۔ مگر بیشتر ستارے اتنے بڑے ہیں کہ ان کے اندر لاکھوں زمینیں رکھی جاسکتی ہیں۔ اور پھر بھی کچھ بچ رہے گی۔ اور بعض ستارے تو اس قدر بڑے ہیں کہ اربوں زمینیں ان کے اندر سما سکتی ہیں۔ یہ کائنات اس قدر وسیع ہے کہ روشنی کی مانند ایک انتہائی ممکن حد تک تیز اڑنے والا ہوائی جہاز جس کی رفتار ایک لاکھ پچاس ہزار میل فی سکند ہو، وہ کائنات کے گرد گھومے تو اس ہوائی جہاز کو کائنات کا پورا چکر لگانے میں تقریباً ایک ارب سال لگیں گے۔ پھر اتنی وسعت کے باوجود یہ کائنات ٹھہری ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ ہر لمحہ اپنے چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ اس پھیلتے کی رفتار اتنی تیز ہے کہ ہر ۱۳ کروڑ سال کے بعد کائنات کے تمام فاصلے دوگنے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ہمارے خیالی قسم کا غیر معمولی تیز رفتار ہوائی جہاز بھی کائنات کا چکر کبھی پورا نہیں کر سکتا، وہ ہمیشہ اس بڑھتی ہوئی کائنات کے راستے میں رہے گا۔

یہ کائنات کی وسعت کے بارے میں آئنسٹائن کا نظریہ ہے۔ مگر یہ صرف ایک "ریاضی دان کا قیاس"

ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان ابھی تک کائنات کی وسعت کو سمجھ نہیں سکا ہے۔

آسمان گرد و غبار سے پاک ہوتا ہے پانچ ہزار ستارے۔ بے خالی آنکھ سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ لیکن معمولی دور بینوں کی مدد سے یہ تعداد بیس لاکھ سے زیادہ ہو جاتی ہے اور وقت کی سب سے بڑی دور بین جو ماؤنٹ پیلو مر پر لگی ہوئی ہے۔ اس سے اربوں ستارے نظر آتے ہیں۔ مگر یہ تعداد اصل تعداد کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ کائنات ایک بے انتہا وسیع خلا ہے جس میں لاتعداد ستارے غیر معمولی رفتار سے مسلسل حرکت کر رہے ہیں۔ کچھ ستارے تنہا سفر کر رہے ہیں۔ کوئی دویا زیادہ ستاروں کے مجموعوں کی شکل میں ہیں، اور بے شمار ستارے ایسے ہیں جو جماع النجوم کی صورت میں متحرک ہیں۔ روشن دان سے کمرے میں آنے والی روشنی کے اندر آپ نے بیشمار ذرے، ادھر ادھر دوڑتے ہوئے دیکھے ہوں گے۔ اسی کو اگر آپ بہت بڑے پیمانے پر قیاس کر سکیں تو کائنات کے اندر ستاروں کی گردش کا آپ ہلکا سا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس فرق کے ساتھ کہ ذرے باجم ملے ہوئے حرکت کرتے ہیں اور ستارے تعداد کی اس کثرت کے باوجود بالکل یکہ و تنہا دوسرے ستاروں سے بے اندازہ فاصلے پر سرگرم سفر ہیں۔ جیسے وسیع سمندروں میں چند جہاز ہوں ایک، دوسرے سے اتنی دوری پر چل رہے ہوں کہ انہیں ایک دوسرے کی خبر نہ ہو۔

یہ ساری کائنات ستاروں کے بیشمار بھرپور کی صورت میں ہے۔ ہر بھرپور کو کہکشاں کہتے ہیں۔ اور یہ سب کے سب مسلسل حرکت میں ہیں۔ سب سے قریبی حرکت جس سے ہم واقف ہیں، وہ چاند ہے۔ چاند زمین سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور رہ کر اس کے گرد مسلسل اس طرح گھوم رہا ہے کہ ہر ۲۹ دن میں زمین کے گرد اس کا ایک چکر پورا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہماری زمین جو سورج سے ساڑھے نو کروڑ میل دور ہے۔ وہ اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومتی ہوئی سورج کے گرد انیس کروڑ میل کا دائرہ بناتی ہے جو ایک سال میں پورا ہوتا ہے۔ اسی طرح زمین سمیت نو سیارے ہیں۔ اور وہ سب کے سب سورج کے گرد مسلسل دوڑ رہے ہیں۔ ان سیاروں میں بعید ترین سیارہ پلوٹو ہے جو ساڑھے سات ارب میل کے دائرے میں چکر لگا رہا ہے۔ یہ تمام سیارے اپنے سفر میں اس طرح مصروف ہیں کہ ان کے گرد اکتیس چاند بھی اپنے اپنے سیاروں کے گرد گھوم رہے ہیں۔ ان کے علاوہ تیس ہزار چھوٹے سیاروں کا ایک حلقہ ہزاروں دہائیوں سے اور لاتعداد شہاب ثاقب ہیں۔ جو اسی طرح گردش میں مصروف ہیں۔ ان سب کے بیچ میں وہ ستارہ ہے جس کو ہم سورج کہتے ہیں اور جس کا قطر آٹھ لاکھ ۶۵ ہزار میل ہے۔ اور وہ زمین سے بارہ لاکھ گنا بڑا ہے۔

یہ سورج خود بھی رکا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ اپنے تمام سیاروں اور سیارچوں کو سسٹم ہوسٹے ایک عظیم کہکشاں نظام کے اندر چھ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے۔ اسی طرح ہزاروں حرکت کرتے

ہونے نظام ہیں، جن سے مل کر ایک کہکشاں وجود میں آتی ہے۔ کہکشاں گویا ایک بہت بڑی پلیٹ ہے۔ جس پر بیشمار ستارے منفرداً اور مجتمعاً ٹھونڈوں کی طرح مسلسل گھوم رہے ہیں۔ پھر یہ کہکشاں خود بھی حرکت کرتی ہیں۔ چنانچہ وہ قریبی کہکشاں جس میں ہمارا شمسی نظام واقع ہے۔ وہ اپنے محور پر اس طرح گردش کر رہی ہے۔ کہ اس کا ایک دور میں کروڑ سال میں پورا ہوتا ہے۔

علمائے فلکیات کے اندازے کے مطابق کائنات پانچ سو ملین ملین (ایک ملین برابر دس لاکھ کہکشاں پر مشتمل ہے۔ اور ہر کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یا اس سے کم و بیش ستارے پائے جاتے ہیں۔ قریبی کہکشاں جس کے ایک حصے کو ہم رات کے وقت سفید دھاری کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ اس کا رقبہ ایک لاکھ سال نور ہے۔ اور ہم زمین کے رہنے والے کہکشاں کے مرکز سے تیس ہزار نور سال کے بقدر دور ہیں۔ پھر یہ کہکشاں ایک اور بڑی کہکشاں کا جزو ہے۔ جس میں اسی طرح کی کہکشاں حرکت کر رہی ہیں۔ اور پورے مجموعہ کا قطر بیس لاکھ سال نور ہے۔

ان تمام گردشوں کے ساتھ ایک اور حرکت جاری ہے۔ اور وہ یہ کہ ساری کائنات ہمارے کی طرح چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ ہمارا سورج سمیت ناک تیزی کے ساتھ چکر کھاتا گھومتا ہوا بارہ میل فی سکنڈ کی رفتار سے اپنی کہکشاں کے بیرونی حاشیے کی طرف مسلسل بھاگ رہا ہے۔ اور اپنے ساتھ نظام شمسی کے نام کو بھی لے جا رہا ہے۔ اسی طرح تمام ستارے اپنی گردش کو قائم رکھتے ہوئے کسی نہ کسی طرف کو بھاگ رہے ہیں۔ کسی کے بھاگنے کی رفتار آٹھ میل فی سکنڈ ہے۔ کسی کی ۳۳ میل فی سکنڈ کسی کی ۸۴ میل فی سکنڈ اسی طرح تمام ستارے انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ دور بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ یہ ساری حرکت حیرت انگیز طور پر نہایت تنظیم اور باقاعدگی کے ساتھ ہو رہی ہے۔ نہ ان میں باہم کوئی ٹکراؤ ہوتا۔ اور نہ رفتار میں کوئی فرق پڑتا۔ زمین کی حرکت سورج کے گرد درجہ منضبط ہے۔ اسی طرح اپنے محور کے اوپر اس کی گردش اتنی صحیح ہے کہ صدی کے اندر بھی اس میں ایک سکنڈ کا فرق نہیں آنے پاتا، زمین کا سیارہ جس کو چاند کہتے ہیں۔ اس کی گردش بھی پوری طرح مقرر ہے۔ اس میں جو تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔ وہ بھی ہر ۱۸ سال کے بعد نہایت صحت کے ساتھ دہرایا جاتا ہے۔ یہی تمام اجرام سماوی کا حال ہے۔ حتیٰ کہ ماہرین فلکیات کے اندازے کے مطابق اکثر خلائی گردش کے دوران ایک پورا کہکشانی نظام جو اربوں ٹوک ستاروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ دوسرے کہکشانی نظام میں حرکت کرتا ہوا داخل ہوتا ہے۔ اور پھر اس سے نکل جاتا ہے مگر باہم کسی قسم کا ٹکراؤ پیدا نہیں ہوتا۔ اس عظیم اور حیرت انگیز تنظیم کو دیکھ کر عقل کو اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ یہ اپنے آپ نہیں قائم ہے۔ بلکہ کوئی غیر معمولی طاقت ہے جس نے اس انتہاء نظام کو قائم رکھا ہے۔